ڈاکٹر بشریٰ پروین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو،
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مقبولِ عام ادب اور اُردو ڈراما

Literature is a part of cultural changes. These cultural changes also affect the artist due to which a breath of fresh air ahways circulates in the literary environement. The popular fiction has the characteristic that it creates colar, although temporary, in the life span of literary environment. On the other hand, like other genre, Urdu drama has also been under ifluence of popular fiction which is evident from the popularity of chang since eighteenth centurey till now.

مقبول عام ادب کی تعریف کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مقبول عام ادب میں وہ تحریری مواد شامل ہوتا ہے جو عوام کے لیے لکھا جائے۔ جنھیں عوام کی ایک بڑی تعداد کی قبولیت حاصل ہو۔ یہ تحریریں بنیادی طور پر تفریح کے لیے تحریر کی جاتی ہیں۔ عوام کی پسندیدگی کو دیکھتے ہوئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسی تحریریں اور ان کے لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مقبول عام ادب کے فروغ میں ایک بڑا ہاتھ طباعت کے شعبے میں ہونے والی روز بروز ترقی کا بھی ہے۔ سادہ الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ادب عام آدمی کے لیے تحریر کیا جاتا ہے۔ اس میں تفریح کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ سادہ زبان اور حال کی عکاسی اس کا اہم خاصہ ہے۔ فلسفہ اور فکر نہ ہونے کے برابر ہو، ایسی تحریر جس کا تاثر عارضی ہو وغیرہ وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ ادب ایک بڑے تہذیبی عمل کا حصہ ہوتا ہے اور یہ تبدیلیاں فن کار کو متاثر کرتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اصناف کی تبدیلیاں بھی بن کر ادبی فضا کو تر و تازہ کرتی رہتی ہیں۔ اُردو ادب کے حوالے سے اگر مقبول عام ادب کی روایت کی بات کی جائے تو مشاعرے اور داستان گوئی تفریح اور تعلیم کا ایک اہم ذریعہ تھے۔ ان دو اصناف کے بعد تیسری صنف نے عام مقبولیت حاصل کی وہ ڈراما تھا۔ ڈرامے کو عوامی صنف بھی کہا جاتا ہے۔ خاص طور پر سٹیج ڈراما۔

ڈراما یونانی لفظ Drao سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں کرنا یا کر کے دکھانا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو لفظ اور عمل دونوں کی کارفرمائی شامل ہوتی ہے۔ ڈرامے کو انگریزی میں Performing Art کہا جاتا ہے۔

پروفیسر وقار عظیم ڈرامے کے بارے میں کہتے ہیں:

لفظ ڈرامے کی اصل یونانی ہے۔ اور اس زبان میں اس کے معنی ہیں کر کے دکھانا، گویا یونانیوں کے نزدیک ڈرامہ کا

سب سے بڑا امتیاز اوراس کا بنیادی عنصر اس کی یہی خصوصیت ہے کہ جو کچھ لکھا جائے اسے کر کے دکھایا جائے۔
یہ ڈرامے کی بڑی سیدھی سادی لیکن بڑی واضح اور روشن تعریف ہے۔(۱)

ڈراما مصنف اور کردار دونوں کی کاوشوں سے وجود میں آتا ہے تو بے جانہ ہوگا۔ ڈرامہ میں بھی دوسری نثری اصناف کی طرح زندگی کی حقیقتوں کو قصے کے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے اوراس قصے کی تعمیر کرداروں کے ذریعے ہوتی ہے۔

تاریخی طور پر اُردو ڈرامے کے نقوش دھندلے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اُردو زبان وادب کے حوالے سے جتنی مقبولیت اور پذیرائی داستان اور شاعری کو حاصل ہوئی وہاں کسی اور صنف کا حوالہ نہیں ملتا۔ ناٹک کی روایت ہندی میں ضرور ہے۔ محققین کے مطابق قدیم زمانے میں رقص وسرور کی محفلیں جو کسی تہوار کے موقع پر منعقد ہوتی تھیں وہی ڈرامے کی جنم بھومی ہیں۔ ہندوستان میں ڈرامے کی ابتدا چوتھی صدی قبل مسیح ہوئی۔ قدیم آریائی تہذیب جب اپنے عروج پر تھی تو اس کے ساتھ سنسکرت ڈراما بھی اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ راج کر رہا تھا۔ لیکن آریائی تہذیب ومعاشرت کے زوال نے سنسکرت ڈرامے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں ڈرامے کا جو چلن رہا ان کو نوٹنکی، رلیں، سوانگ اور بہروپ کہا جاتا تھا۔ یہ تمام اقسام فنی اور تکنیکی لوازمات سے آزاد تھیں۔ صرف اور صرف تفریح ان کا مقصد تھا۔

مسلم حکمرانی کے دور کے آغاز کے ساتھ دوسرے علوم وفنون تو حکمرانوں کی کرم نوازیوں کے مستحق ٹھہرے۔ لیکن عربی اور فارسی زبان وادب میں چونکہ ڈرامے کی کوئی روایت موجود نہ تھی اس لیے اس صنف کو نہ توجہ ملی اور نہ ہی پذیرائی۔ اُردو ڈرامے کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب احمد سہیل کہتے ہیں:

> اُردو ڈراما سنسکرت اور ہندی ڈرامے کے بعد کا ہے۔ اس کی ابتدا کے متعلق مختلف شہادتیں ملتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی کی ابتدا میں جب فرخ سیر (۱۷۱۸ء۔۱۷۱۷ء) کا دور تھا اس دور میں نواز نامی ایک درباری شخص نے ''کالی داس'' کے مقبول ڈرامے ''شکنتلا'' کا سنسکرت سے اُردو میں ترجمہ کیا اور ایک پنڈت نے نواز کو اس ڈرامے کا ترجمہ کرنے میں مدد کی اور فرخ سیر کے ایک فوجی سردار موسیٰ خاں نے اس ادبی کام کے سلسلے میں مالی سرپرستی اوراعانت کی۔(۲)

لیکن محققین کی رائے کچھ اور ثابت کرتی ہے اور وہ کچھ یوں ہے کہ واجد علی شاہ اُردو کے پہلے ڈراما نگار ہیں۔ ''رادھا کنہیا'' اُردو ڈرامے کی بنیاد ہے۔ یہ ڈراما واجد علی شاہ کے زمانے میں قیصر باغ میں ۱۸۴۳ء میں کھیلا گیا۔ جبکہ کچھ عرصہ یعنی ۱۸۵۳ء میں آغا حسن امانت کا ''اندرسبھا'' عوام کے لیے پیش کیا گیا۔ ''اندرسبھا'' مقبولیت کے لحاظ سے ''رادھا کنہیا'' سے سبقت لے گیا۔ پھر تھیٹر نے اُردو ڈرامے کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ ماسٹر احسن وافر کا ایک ڈراما ''بلبل بیمار'' ایک ایسا ڈراما ہے جس نے ڈھاکہ کی تاریخ میں جدید ڈرامے کا نیا باب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی مقبولیت اور معنویت اولین یہ ہے کہ اس میں نظم اور نثر دونوں مکالموں کی زینت بنے۔

اُردو ڈراموں کا مرکز بمبئی کو ٹھہرایا گیا۔ پارسیوں نے یہاں بڑی بڑی تھیٹر کمپنیاں قائم کیں۔ اس کمپنیوں کے لیے جن اہم ڈراما

نگاروں نے ڈرامے لکھے ان میں منشی رونق بنارسی، حافظ عبداللہ، نظیر بیگ، حسینی میاں، ظریف، طالب بنارسی، پرشاد طالب بنارسی، مہدی حسن، احسن لکھنوی، پنڈت نرائن، پرشاد اور بیتاب بنارسی قابل ذکر ہیں۔ان لوگوں نے ڈرامے کو معاشرتی موضوعات اور سنجیدہ عناصر سے روشناس کروایا۔اس حوالے سے آغا حشر اور امتیاز علی تاج دو ایسے نام ہیں جن کے ذکر کے بغیر سٹیج ڈراما نامکمل ہے۔

دونوں کی پرورش علم و ادبی ماحول میں ہوئی اور پھر پوری زندگی اس ادبی صنف کے سپرد کر دی۔

اصناف ادب میں نئے نئے رجحانات نے جہاں رنگینی پیدا کی وہاں اُردو سٹیج ڈراما بھی اپنے اندر رنگینیاں سمیٹتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور یوں عوامی مقبولیت کی منزلیں طے کرنے لگا۔

ادبی ڈرامے کی ابتدا مولانا محمد حسین آزاد کے ڈرامے ''اکبر'' سے ہوتی ہے اور ان کے بعد دوسرا بڑا نام عبدالحلیم شرر کا ہے۔ان کے دو معاشرتی اور اصطلاحی ڈرامے ''شہید وفا'' اور ''میوہ تلخ'' ایسے ڈرامے ہیں جن میں جدت کا احساس نمایاں ہے۔اصلاح اور مقصدی ڈرامے لکھنے کی ایک اور کڑی احمد شجاع پاشا ہیں۔ان کے ڈرامے ''بھارت کا لال'' اور ''زخمی پنجاب'' قابل ذکر ہیں۔

داستان گوئی، مشاعرہ اور پھر سٹیج ڈراما تین ایسی اصناف ہیں جو عوامی مقبولیت رکھتی تھیں۔عوام وقت گزاری کی خاطر ان جگہوں کا رخ کرتے جہاں ان کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا تھا۔وقت کے ساتھ ساتھ سائنسی ترقی نے ریڈیو اور پھر ٹیلی ویژن نے سٹیج ڈرامے کو مقبولیت کو گزند پہنچائی۔

برصغیر میں ریڈیو ۱۹۳۵ء میں آیا اور ابتداء ہی سے سید امتیاز علی تاج، رفیع پیرزادہ، عابد علی عابد جیسے ڈراما نگاروں نے ریڈیو کو سہارا دیا۔ریڈیو نے ابتدا میں داستان گوئی روایت کو دہرایا۔یعنی پورے محلے یا گلی میں ایک ہی ریڈیو ہوا کرتا تھا۔لوگ سرِشام وہاں جمع ہو جاتے جہاں ریڈیو ہوتا۔یہاں ڈراما صوتی کھیل تھا۔جس نے ایک نئی طرز کے طور پر ایک مخصوص عوامی طبقے کو اپنے قابو میں کر لیا۔جذباتی کیفیات کا اظہار صرف آواز ہی سے سامع تک منتقل کرنا حیرانی اور تجسس کا باعث تھا۔فارغ اوقات میں تفریحی کی واحد شکل ریڈیو اور ریڈیو ڈراما تھا۔ریڈیو نے ڈرامے کو بڑے بڑے نام دیے۔ان ڈراما نگاروں میں سلیم احمد، شوکت تھانوی، ریاض فرشوری، انتظار حسین، مرزا ادیب، کمال احمد رضوی، ممتاز مفتی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، سعادت حسن منٹو اور آغا ناصر کے نام شامل ہیں۔

اُردو ڈرامے کی اگلی بڑی منزل ٹیلی وژن تھی۔جس نے عوام کے ایک بہت بڑے حلقے کو اپنی طرف راغب کر لیا۔ریڈیو نے جب تک گھر گھر رسائی حاصل نہ کر لی اس وقت خواتین اور بچیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ریڈیو کی نشریات سے محروم رہی۔لیکن پھر تقریباً ہر دوسرے گھر میں ریڈیو ایک اہم ضرورت بن گیا یوں سامعین کی تعداد میں چوگنا اضافہ ہو گیا۔ریڈیو کی طرح ٹیلی ویژن کے ساتھ بھی وہی ہوا۔پاکستان میں ۱۹۶۴ء میں ٹی وی نشریات کا آغاز ہوا۔تقریباً دس سے بارہ سال تک بڑی تعداد میں لوگ شام کو ان ہوٹلوں کا رخ کرتے جہاں ٹیلی ویژن موجود ہوتا۔یہ وہ لوگ تھے جو قوت خرید نہ رکھتے تھے یا گھروں سے دور ہوتے۔اس کے ساتھ ساتھ گلی یا محلے میں جس گھر میں ٹیلی ویژن ہوتا وہاں ہمسائے جلد از جلد اپنے گھریلو کاموں سے فراغت حاصل کر کے پہنچ جاتے۔ان ناظرین میں ایک بڑی تعداد خواتین اور بچوں کی ہوتی تھی۔یوں ہوٹلوں کے ساتھ ساتھ گھروں میں بھی ٹیلی ویژن مقبول ہو گئے۔ٹیلی ویژن پر اُردو ڈرامے کی مقبولیت

کا گراف شروع سے آج تک قائم ودائم ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن کے آغاز سے آج تک لاتعداد ٹی وی چینل قائم ہو چکے ہیں تب بھی ڈرامے کے ناظرین میں کمی نہ ہوئی بلکہ اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوا۔ پاکستان ٹیلی ویژن اور اس کے بعد بھی جن ادیبوں نے ڈراما نگاری میں نام کمایا ان میں حسینہ معین، حمید کاشمیری، نصرت جاوید، فاطمہ ثریا بجیا، امجد اسلام امجد، منو بھائی، تاج حیدر، اصغر ندیم سید، بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کے نام سرفہرست ہیں۔ پھر ان لوگوں کے بعد اُردو ٹی وی ڈراما لکھنے والوں کی ایک بڑی کھیپ اس میدان میں اُتری۔

زندگی کے ہر شعبے کی طرح ادبی اصناف نے بھی خوب کروٹیں بدلیں۔ اُردو تھیٹر نے پاکستان بننے کے بعد جہاں اصلاحی، مقصدی اور دیگر معاشرتی برائیوں کی نشاندہی طنز ومزاح کے ذریعے کی وہاں ایک ایسے طبقے میں بھی مقبولیت حاصل کی جو ڈرامے میں رقص وموسیقی سے بھی محظوظ ہونے لگا۔ رقص وموسیقی کے اور مزاح کی آڑ میں لچر پن اور بے حیائی نے تھیٹر ڈرامے کے سنجیدہ ناظر کو کھو دیا اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ تھیٹر ڈراما صرف میلوں ٹھیلوں اور سرکسوں میں دیکھا جانے لگا۔

اس کے برعکس ریڈیو اور پھر ٹیلی ویژن نے اُردو ڈرامے کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اب ڈرامے میں سادگی، سلاست اور مقصدیت اور اصلاحی پہلو نمایاں ہونے لگے۔ آج کے دور میں ڈرامے کی جو صورتیں سامنے آتی ہیں ان میں سوپ اور سریلز کافی مقبول ہیں جن کے سحر میں بے شمار لوگ گرفتار ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان ناظرین کو اپنے اردگرد کا موجودہ ماحول ایک سطحی اور آسان پیرائے میں دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ ادب کی تخلیق میں جذبات، واقعات وعناصر ہیں جن سے مقبول عام ادب لکھنے والا عموماً محروم ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا ہمارے عہد میں سیریلز کے اسکرپٹ اس انداز سے لکھے جاتے جس سے آج کے ناظرین لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ادب کے تخلیق کار کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ جو لکھے پورے وثوق اور ثبوت کے ساتھ لکھے اس کی تصنیف میں مقصدیت اور فکر کی قوت بھی موجود ہو جبکہ پاپولر ادب کا تخلیق کار مندرجہ بالا عناصر کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔ راشد انور کا مندرجہ ذیل بیان اس بات کی مزید تائید کے لیے کافی ہوگا:

> ادب کے ارتقائی سفر پر اگر ہم اپنی نگاہ مرکوز کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر عہد میں سنجیدہ ادب کے ساتھ ہی مقبول عام ادب یعنی پاپولر لٹریچر بھی لکھا جاتا رہا اور معاشرے کے اچھے خاصے افراد اس ادب سے خاطر خواہ محظوظ ہوتے رہے ہیں۔ سنجیدہ ادب کی مانند پاپولر ادب کے ذریعے بھی ادب اپنے ان محسوسات کو گویائی عطا کرتا ہے جن میں عقل اور ذہن کی کرشمہ سازیاں زندگی کے اچھوتے زاویوں کو منکشف کرتی ہیں اس طرح عقل، جذبے اور تخیل کا حسین امتزاج پاپولر لٹریچر کی تشکیل میں معاون ہوتا ہے۔ سنجیدہ ادب کی مانند پاپولر لٹریچر کو بھی زندگی کا بہترین ترجمان کہا جا سکتا ہے۔ اس نوع کے ادب میں بھی ایک مخصوص عہد کی زندگی اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے۔(۳)

مقبول عام ادب کا قاری اپنی ذہنی سطح کی مناسبت سے فطری طور پر پاپولر رائٹر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہر تخلیق کار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کا قاری، سامع یا ناظر نہ صرف اس کی تخلیق کو پسند کرے بلکہ اس سے متاثر بھی ہو۔ ادیب چاہے پاپولر ہو یا ادب اعلیٰ

کا اس کی نظر معاشرے کی ناہمواریوں اور مسائل پر ہوتی ہے۔ اس کی پیشکش کا انداز اور قاری کا فہم اس کو کئی انداز میں برتتے ہیں۔

حوالہ جات

۱ ۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، اُردو ڈرامہ: فن اور منزلیں، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۳

۲ ۔ احمد سہیل، جدید تھیٹر، ادارہ ثقافت پاکستان اسلام آباد، طبع اول، نومبر ۱۹۸۴ء، ص: ۱۰۔۱۱

۳۔ راشد انور راشد، پاپولر لٹریچر اور فنون لطیفہ، مشمولہ: اُردو میں پاپولر لٹریچر، روایات اور اہمیت، مرتبہ ارتضیٰ کریم، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص: ۶۱